ہجرت اِلی المدینہ

(۲)

غارِ ثور کی سرگزشت بیہقی نے حضرت محمد بن سیرین کے حوالے سے مُرسلاً یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ کی مجلس میں کچھ اس طرح کی باتیں کیں جن سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ اُن کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "خدا کی قسم ابوبکرؓ کی ایک رات آلِ عمر سے افضل ہے۔" پھر انہوں نے بیان کیا کہ جس رات حضورؐ غارِ ثور تشریف لے گئے، اور ابوبکرؓ آپؐ کے ساتھ تھے، تو حال یہ تھا کہ کبھی ابوبکرؓ آپؐ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے۔ حضورؐ نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا،" یارسول اللہ مجھے پیچھا کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو پیچھے چلنے لگتا ہوں اور جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں آگے کوئی خطرہ درپیش نہ ہو تو آگے آجاتا ہوں۔" حضورؐ نے فرمایا "تمہارا مطلب یہ ہے کہ کوئی آفت آئے تو میرے بجائے تم پر آئے؟" انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر جب غار پر پہنچے تو ابوبکرؓ نے عرض کیا آپ ذرا ٹھیریں، میں اندر جاکر غار کو آپ کے لیے صاف اور محفوظ کردوں۔ چنانچہ اندر جاکر انہوں نے غار کو محفوظ کیا، پھر نکلے، مگر یاد آیا کہ ایک بِل اور رہ گیا ہے اس لیے واپس گئے اور اُسے بھی بند کیا۔ تب حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ اندر تشریف لے آئیں۔ بعض روایات میں اس کی مزید تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر ایک ایک سوراخ اور ایک ایک بِل کو تلاش کرتے گئے اور اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر اسے بند کرتے چلے گئے۔ اِسی سے ملتی جلتی روایت حافظ ابو القاسم بَغوِی نے ابن ابی مُلیکہ سے نقل کی ہے، اور اس کے آخر میں نافع بن عُمر الجُمَحی کا یہ بیان درج کیا ہے کہ غار میں ایک بِل رہ گیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر اپنی ایڑی لگادی تاکہ کوئی موذی جانور اس سے نکل کر حضورؐ کو کاٹ نہ لے۔ یہی بات بزّار نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے، اور طَبَرانی نے حضرت اسماءؓ سے روایت کی ہے۔

غارِ ثور میں نازک ترین لمحہ

اُدھر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مکّہ اور اس کے اطراف کا کونہ کونہ چھان مارا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ پھر وہ دو ماہر کھوجیوں کو لائے تاکہ وہ نشاناتِ قدم سے آپ کا سُراغ لگائیں۔ یہ کھوجی سراغ لگاتے ہوئے غارِ ثور تک پہنچ گئے۔ مگر وہاں انہوں نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ ایک کھوجی کُرز بن عَلقمہ خُزاعی نے کہا یہاں سے آگے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ قریش کے جو لوگ کھوجیوں کے ساتھ آئے تھے ان میں سے ایک نے کہا غار میں بھی چل کر دیکھ لیا جائے۔ مگر اُمیّہ بن خلف نے کہا "یہاں کیا پاؤ گے؟ اِس غار پر تو مکڑی کا جالا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلوم ہوتا ہے"۔ اِس کے بعد سب اُلٹے پلٹ گئے۔ یہی موقع تھا جب حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ نے دشمنوں کو عین غار کے دہانے پر کھڑا دیکھ کر حضور سے عرض کیا "یا رسول اللہ، اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھے تو ہمیں دیکھ لے گا"۔ حضورؐ نے پورے اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ "اے ابو بکر تمہارا کیا خیال ہے اُن دو آدمیوں کے متعلق جن میں تیسرا اللہ ہے"؟ (بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، وکتاب التفسیر۔ وباب الہجرت۔ مسلم فی الفضائل، ترمذی فی التفسیر، مسند احمد، مرویات ابی بکر صدیق)۔ حافظ ابو بکر احمد بن علی الاُمَوی نے مُسندِ ابی بکر صدیق میں اس سلسلے کی جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک میں بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت وہ لوگ غار کے دہانے پر کھڑے ہوئے تھے اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ دشمنوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، یہ آپ کی قوم آپ کی تلاش میں آپہنچی ہے۔ خدا کی قسم میں اپنے لیے نہیں روتا بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ کہیں میری آنکھوں کے سامنے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے"۔ حضورؐ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ "غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ اِسی چیز کا ذکر قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ - ۴۰)	اگر تم (مسلمان) اُس کی (یعنی اللہ کے نبیؐ کی) مدد نہ کرو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب اُسے کافروں نے نکال دیا تھا جب وہ دو میں کا ایک تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے

حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کو قتل یا گرفتار کرنے کے لیے انعام کا اعلانِ عام

یہ آخری مقام تھا جہاں دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانے کی امید کر سکتے تھے۔ یہاں جب آپ نہ ملے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ آپ اُن کی دسترس سے باہر جا چکے ہیں۔ اِس کے بعد انہوں نے اعلانِ عام کر دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ کر لائے یا قتل کرے اسے دونوں کی پوری دِیَت دی جائے گی، یعنی سو سو اونٹ۔ یہ بَلاذری کی روایت ہے اور ابن القیِّمؒ نے زادُ المَعاد میں اسی کو قبول کیا ہے۔ ابن ہشام اور ابن جریر نے صرف پکڑ لانے والے کو سو اُونٹ انعام دینے کا ذکر کیا ہے اور بلاذری نے اسے ایک کمزور قول کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔

غار سے روانگی

بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ تین شب و روز غار میں رہے، یہی طَبَرانی میں حضرت اسماءؓ کی روایت ہے اور یہی ابن عبد البرؒ، اور ابن سعد اور ابن اسحاق کا بیان ہے، اس لیے وہ روایات قابلِ قبول نہیں ہیں جو مُسندِ احمد اور حاکم میں طَلحۃُ البَصری سے منقول ہوئی ہیں کہ غار میں قیام دس دن سے زیادہ رہا۔ درحقیقت تین ہی شب و روز میں حضورؐ کی تلاش کے لیے قریش کی سرگرمیاں سرد پڑ چکی تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن اُرَیقِط حسبِ ہدایت دونوں اُونٹنیاں جو اُس کی تحویل میں تھیں، لے کر تیسری رات کے آخری حصہ میں غارِ ثَور پر پہنچ گیا۔ ٹھیک وقت پر حضرت اسماءؓ بھی زادِ راہ ایک تھیلے میں لیے ہوئے پہنچ گئیں۔ مگر اُس کو باندھنے کے لیے کوئی چیز ساتھ لانے کا انہیں خیال نہ رہا۔ آخر کار انہوں نے اپنا نِطاق (وہ کپڑا جو اُس زمانہ میں خواتین کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اُسے پھاڑا، ایک حصہ سے توشہ باندھ کر کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور اپنی کمر باندھنے کے لیے دوسرے حصے پر اکتفا کیا (ابن ہشام اور ابن جریر، بحوالہ محمد بن اسحاق)۔ اسی بناء پر حضرت اسماءؓ کو ذاتُ النِّطاقَین (دو نِطاقوں والی) کہا جاتا ہے۔ بخاری میں حضرت اسماءؓ کی اپنی روایت یہ ہے کہ جب توشہ دان کو باندھنے کی ضرورت پڑی تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنا نِطاق پھاڑنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے بعد یہ قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اُونٹنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دوسری پر حضرت ابوبکرؓ تھے اور انہوں نے خدمت کے لیے عامرؓ بن فُہَیرہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا تھا۔ آگے آگے عبداللہ بن اُرَیقِط راستہ بتانے کے لیے پیدل چل رہا تھا۔ اس طرح اُس عظیم الشان سفرِ ہجرت کی ابتداء ہوئی جس نے دنیا کی تاریخ بدل ڈالی۔ ابن سعد اور بلاذری نے تعیُّن کے ساتھ لکھا ہے کہ غارِ ثَور

سے اِس مبارک قافلے کی روانگی ۴ ربیع الاوّل کو پیر کے دن ہوئی۔ امام احمد نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؐ ربیع الاوّل میں پیر کے روز غار سے روانہ ہوئے، لیکن اس مہینے کی تاریخ کونسی تھی، اِس کی انہوں نے تصریح نہیں کی۔ ابن اسحاق نے مکّہ سے حضورؐ کے نکلنے کی تاریخ یکم ربیع الاوّل بتائی ہے، مگر غار سے نکلنے کی تاریخ انہوں نے نہیں بتائی۔ قسطلانی نے "مَواہبُ اللَّدُنّیہ" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں غار میں گذاریں اور پیر کی رات وہاں سے روانہ ہوئے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ ربیع الاوّل ۵۳ھ عام الفیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔

سفر کا حال سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن اُریقط جب اس قافلے کو لے کر چلا تو اس نے عام راستے سے ہٹ کر مدینے جانے کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا تاکہ دشمنوں سے بچ کر نکلا جا سکے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ چونکہ تجارتی سلسلے میں اکثر پھرتے رہتے تھے اس لیے لوگ اُن کو دیکھ کر پہچان لیتے اور پوچھتے یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ وہ جواب دیتے ھٰذا الرجل یھدینی السبیل۔ "یہ ایک صاحب ہیں جو میری راہنمائی کر رہے ہیں"۔ طبرانی میں حضرت اسماءؓ سے اور مُسندِ احمد، مَرویّاتِ اَنس بن مالکؓ، اور بخاری باب الہجرت میں حضرت انس سے بھی اِس سے ملتا جلتا مضمون منقول ہوا ہے[1]۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ ہم دوسرے دن دوپہر تک چلتے رہے۔ جب گرمی تیز ہوئی تو میں نے نظر دوڑائی کہ کہیں سایہ کی جگہ ہے یا نہیں۔ دیکھا کہ ایک چٹان کے نیچے ابھی سایہ موجود ہے۔ وہاں جا کر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرش بچھا کر عرض کیا کہ آپ آرام فرمالیں۔ پھر میں ہر طرف دیکھتا رہا کہ کہیں ہماری تلاش میں تو کوئی نہیں آرہا ہے۔ اتنے میں ایک لڑکا بکریاں چَراتا ہوا سایہ میں پناہ لینے کے لیے اُسی چٹان کی طرف آگیا۔ میں نے اُس سے کہا ہمیں اپنی کسی بکری کا دُودھ نکال دوگے؟ وہ اس پر راضی ہوگیا۔ میں نے بکری کے تھن اور اس لڑکے کے ہاتھ صاف کرا کے ایک برتن میں دُودھ نکلوایا۔ پھر تھوڑا سا پانی ڈال کر اُسے ٹھنڈا کیا اور لیجا کر

---

[1] یہ بھی تَورِیہ کی ایک عمدہ مثال ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ یہ میرے رہنما ہیں۔ سُننے والوں نے سمجھا کہ یہ راستہ بتانے والے ہیں، اور حضرت ابوبکرؓ نے بالکل سچ فرمایا کہ یہ میرے ہادی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سُراقہ بن مالک بن جُعشُم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں جسے امام بخاری نے مناقب المہاجرین اور باب ہجرت میں، اور امام مسلم نے کتاب الزُّہد باب الہجرت میں مختصراً نقل کیا ہے، مگر اس کی تفصیل بخاری باب الہجرت کی ایک روایت میں خود سُراقہ کی زبانی اُس کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن مالکؓ کے حوالہ سے امام زُہری نے بیان کی ہے، اور اس کی مزید تفصیلات سیرت ابن ہشام اور طبقاتِ ابن سعد وغیرہ میں ملتی ہیں۔

سُراقہ کا واقعہ سراقہ بنی مُدلِج کا رئیس تھا اور قُدَید کے قریب اُس کا علاقہ واقع تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ ہمارے پاس قریش کے آدمی یہ پیغام لے کر آئے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکرؓ کو قتل کر دے یا گرفتار کر لے آسے اُن میں سے ہر ایک کی پوری دِیَت (یعنی سَو سَو اُونٹ) دی جائیگی۔ اس کے بعد ایک روز میں اپنی قوم کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آکر مجھ سے کہا "ابھی میں نے سواحل پر کچھ آدمی جاتے ہوئے دیکھے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھی ہیں"۔ میں سمجھ گیا کہ واقعی وہی ہیں۔ مگر میں نے اُس سے کہا کہ وہ نہیں بلکہ تم نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے جو ابھی ہمارے سامنے سے گزرے ہیں۔ پھر میں اس مجلس میں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد اُٹھ کر اپنے گھر گیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس طرح خاموشی کے ساتھ نکل گیا کہ دوسرے لوگوں کو میرے جانے کا علم نہ ہونے پائے۔ (ابن ابی شَیبہ کی روایت میں ہے کہ "میں نے اس اندیشے سے کیا کہ کہیں انعام میں لبتی کے دوسرے لوگ شریک نہ ہو جائیں")۔ میں اُن کے قریب پہنچا تھا کہ یکایک اپنے گھوڑے پر سے گر پڑا۔ میں نے فال کے تیر اپنے ترکش سے نکال کر فال دیکھی تو وہ میری خواہش کے خلاف نکلی۔ میں اس کی پروا کیے بغیر پھر چلا اور اس قدر قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت صاف سُنائی دے رہی تھی۔ حضورؐ کسی طرف مُڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے، مگر ابوبکرؓ بار بار ہر طرف مُڑ مُڑ کر دیکھتے جاتے تھے۔ اتنے میں یکلخت میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں گھٹنوں تک دھنس گئے اور میں اُس پر سے گر پڑا۔ (حضرت بَراءؓ بن عازِب کی روایت خود حضرت ابوبکرؓ سے یہ ہے کہ ہم اُس وقت سخت زمین سے گزر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ہمارا تعاقب کرنے والا بہت

---

[۱] ابن ہشام نے ان کے نام کی تصحیح کی ہے عبدالرحمٰن بن حارث بن مالک بن جُعشُم۔

قریب آگیا ہے۔ آپؐ نے اس پر دُعا کی اور اس کا گھوڑا زمین میں پیٹ تک دھنس گیا۔ حضرت انس کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا خدایا اِسے گرا دے)۔ سُراقہ کہتا ہے کہ میں نے پھر فال نکالی تو وہ میری خواہش کے خلاف نکلی۔ تب میں نے پُکار کر امان مانگی اور وہ ٹھیر گئے۔ میں اپنے گھوڑے پر چڑھ کر ان کے پاس پہنچا۔ جو کچھ مجھ پر گزری تھی اس سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کامیاب ہو کر رہے گا (ابن ہشام میں محمد بن اسحاق کی روایت امام زُہری سے یہ ہے کہ سُراقہ نے پکار کر کہا میں سُراقہ بن جُعشُم ہوں، آپ لوگ مجھے موقع دیں کہ میں آپ سے بات کروں۔ خدا کی قسم میں آپؐ کو کوئی گزند نہ پہنچاؤں گا اور نہ مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد ہو گی جو آپ کو ناگوار ہو)۔ سراقہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری کے لیے دِیَت کا اعلان کیا ہے اور لوگ اس فکر میں پھر رہے ہیں کہ یہ انعام حاصل کریں۔ پھر میں نے زادِ راہ اور سامان کی پیشکش کی۔ مگر آپؐ نے اِس کے سوا اور کسی چیز کی خواہش مجھ سے نہیں کی کہ میں آپ کی اطلاع کسی کو نہ دوں۔ میں نے درخواست کی کہ مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجیے۔ حضورؐ نے عامر بن فُہیرہ کو حکم دیا اور انھوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر مجھے لکھ دی۔ حضرت انس بن مالک کی روایت میں ہے کہ سُراقہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی، مجھے حکم دیجیے جو کچھ آپ چاہیں۔ حضورؐ نے فرمایا بس اپنی جگہ ٹھیرو اور کسی کو ہم تک نہ پہنچنے دو۔ اس طرح جو شخص چند لمحے پہلے دشمنِ جان تھا، وہ پاسبان بن گیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس کے بعد جو بھی حضورؐ کے تعاقب میں آتا اُس سے سُراقہ کہتا کہ واپس جاؤ، میں نے اطمینان کر لیا ہے کہ وہ اِدھر نہیں ہیں، اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں کیسی نظر رکھتا ہوں اور سراغ رسانی میں کتنا ماہر ہوں۔

ابن اسحاق اور موسیٰ بن عُقبہ سُراقہ کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جو تحریر میں نے اُس وقت لی تھی اُسے اپنے پاس محفوظ رکھا اور کئی سال بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُنَین اور طائف کے معرکوں سے پلٹ جِعرَانَہ (یا جِعِرّانہ) میں ٹھیرے ہوئے تھے تو میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور وہ تحریر پیش کر کے عرض کیا" میں سُراقہ بن جُعشُم ہوں اور یہ آپ کی دی ہوئی تحریر ہے"۔ فرمایا" آج وفائے عہد اور ادائے حق کا دن ہے۔ قریب آجاؤ"۔ میں حضورؐ کے قریب گیا اور اسلام لے آیا۔ طَبَرانی نے سُراقہ کے اِس پورے واقعہ کا خلاصہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے۔

استیعاب میں ابن عبدالبرؒ نے اور اصابہ میں ابن حجرؒ نے حضرت حسن بصری کی مرسل روایت حضرت سفیان بن عُیَینَہ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنہی حضرت سُراقہؓ بن مالک کو مخاطب کر کے فرمایا "وہ بھی کیا وقت ہو گا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے" اس ارشاد کے چند ہی سال بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شاہ ایران کے کنگن اور اس کا کمر پٹہ اور اس کا تاج لایا گیا تو انہوں نے حضرت سُراقہ کو بُلایا اور یہ چیزیں ان کو پہنا کر کہا ہاتھ اُٹھاؤ اور کہو "تعریف ہے اُس خدا کی جس نے یہ چیزیں اُس کسریٰ بن ہُرمُز سے چھین لیں جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں، اور انہیں بنی مُدلِج کے ایک بدّو سُراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیا" سہیلی نے روض الاُنُف میں اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ مگر غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے ہم اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

اُمِّ مَعْبَدؓ کا قصہ قُدَید ہی کے علاقہ سے گذرتے ہوئے یہ مقدس قافلہ بنی خُزاعہ کی ایک عورت اُمِّ معبد کی قیام گاہ پر پہنچا۔ بعض مصنّفین نے اس کو سُراقہ کے واقعہ سے پہلے بیان کیا ہے اور بعض نے اس کے بعد۔ ہم نے سراقہ کے واقعہ کو اس بنا پر مقدم رکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے غار سے روانگی کے بعد پیش آنے والے حالات بیان کرتے ہوئے پہلے اُسی کا ذکر کیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حافظ ابن قیّم نے بھی زاد المعاد میں اس کو مقدم رکھا ہے۔

ابن خُزیمہ، حاکم، بیہقی، بَغَوی، ابن عبدالبرؒ، بزّار، طبرانی اور ابن سعد وغیرہم نے مختلف سندوں سے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں خود اُمِّ مَعبد کے حوالے سے اس کو درج کیا ہے کہ جب یہ حضرات قُدَید سے گزر رہے تھے تو راستے میں اُمِّ مَعبد (عاتکہ بنت خالد) کے خیموں پر پہنچے جو قبیلہ خُزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ پختہ عمر کی باعفت اور شاندار عورت تھی اور اُن لوگوں کی میزبانی کیا کرتی تھی جو اس کے پاس سے گزرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی جب وہاں پہنچے تو وہ اپنے خیمہ کے آگے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ زمانہ قحط کا تھا جس سے سارا علاقہ بُری طرح متاثر تھا۔ اِن حضرات نے اس سے کہا کہ دودھ، یا گوشت، یا کھجوریں، جو کچھ بھی تمہارے پاس ہو، ہمیں دو، ہم اس کی قیمت ادا کر دیں گے۔ اس نے کہا واللہ، اگر ہمارے پاس کچھ بھی ہوتا تو ہم آپ لوگوں کی ضیافت کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ حضورؐ نے پوچھا "معبد کی ماں، یہ بکری

کیسی ہے؟" اس نے کہا "یہ بیچاری اپنی لاغری اور کمزوری کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے نہ جا سکی"۔ آپؐ نے پوچھا "یہ کچھ دودھ دے سکتی ہے؟" اس نے عرض کیا "یہ اس سے زیادہ نڈھال ہے کہ دودھ دے سکے"۔ فرمایا "کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں؟" اس نے کہا "صدقے جائیں میرے ماں باپ آپ پر، اگر آپ اس میں کچھ بھی دودھ پائیں تو ضرور نچوڑ لیں"۔ آپ نے بکری کو طلب فرمایا، پھر اس کے پاؤں باندھے، اس کے تھنوں پر (اور ایک روایت میں ہے کہ پیٹھ پر بھی) دست مبارک پھیرا، دعا فرمائی کہ یا اللہ اس عورت کی بکریوں میں برکت دے، اور اللہ کا نام لے کر دودھ دوہنا شروع کیا۔ خدا کی شان، بکری نے ٹانگیں پھیلائیں، جگالی کرنے لگی اور دودھ کی دھار اس کے تھنوں سے بہ نکلی۔ حضورؐ نے ایک بڑا برتن منگایا جس میں ایک پورے گروہ کو سیر کر دینے کے قابل دودھ آ سکے۔ آپ دوہتے چلے گئے یہاں تک کہ برتن لبالب بھر گیا اور اوپر جھاگ آ گئے۔ آپؐ نے پہلے ام معبد کو پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئی۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا اور وہ بھی سیر ہو گئے۔ آخر میں آپ نے خود پیا اور فرمایا ساقی القوم آخرھم "لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے"۔ اس کے بعد دوبارہ آپؐ نے اس برتن کو دودھ سے بھر کر معبد کی ماں کے حوالے کیا اور یہ فرما کر آگے روانہ ہو گئے کہ یہ دودھ معبد کے باپ کو دے دینا جب وہ آئے۔

ام معبد حضورؐ کا حلیہ شریف بیان کرتی ہے

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اس کا شوہر اپنی دبلی پتلی بکریاں لیے ہوئے پلٹا۔ دودھ سے بھرا ہوا برتن دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا "معبد کی ماں یہ دودھ کہاں سے آیا؟" وہ بولی "خدا کی قسم، ایک مبارک آدمی کا گزر یہاں سے ہوا تھا، اس نے یہ کچھ کیا"۔ پھر اس نے سارا واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ اس نے کہا ذرا اس کا حلیہ تو مجھے بتا۔ وہ کہنے لگی "میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کا حسن و جمال نمایاں تھا، چہرہ روشن تھا، اخلاق پاکیزہ تھے۔ بدن نہ بھاری تھا نہ نحیف، خوبصورت اور خوش اندام تھا، آنکھوں میں گہری سیاہی تھی، پلکیں لمبی تھیں، آواز بلند تھی مگر کرخت نہ تھی، آنکھوں کی پتلیاں بہت سیاہ اور ڈھیلے بہت سفید تھے، آنکھوں کے کوئے سیاہی مائل تھے، بھویں نہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھیں نہ بالکل ملی ہوئی بلکہ درمیان میں ہلکے ہلکے بال تھے اور بھوؤں کے کنارے باریک تھے، بال نہایت سیاہ تھے، گردن میں درازی تھی، ڈاڑھی گھنی تھی۔ خاموش ہوتا تو اس کا وقار نمایاں ہوتا تھا۔ بولتا تو معلوم ہوتا کہ اس کی آواز گردش

پر چھا گئی ہے ، گفتگو ایسی تھی جیسے زبان سے موتیوں کی لڑی سلسلہ وار نکلتی چلی آ رہی ہو ، کلام شیریں اور واضح تھا ، نہ کم گو تھا نہ بانُون ، دُور سے سُنو تو اس کی آواز سب سے زیادہ بلند مگر خوش آہنگ محسوس ہوتی اور قریب سے سُنو تو بہت شیریں اور لطیف معلوم ہوتی تھی ، میانہ قد تھا ، نہ ایسا دراز قد کہ بدنما نظر آئے اور نہ اتنا پست قد کہ کوئی نگاہ اس سے بلند تر کی طرف متوجہ ہو - اپنے ساتھیوں میں وہ سب سے زیادہ خوش منظر تھا اور سب سے بہتر قدر و منزلت رکھتا تھا - اس کے رفقاء اُسے گھیرے رہتے تھے ، اُس کی بات بڑی توجہ سے سُنتے اور اس کے حکم پر دوڑ پڑتے تھے - وہ مخدوم تھا ، مالوف تھا ، نہ تُرش رُو تھا اور نہ دُرشت کلام "۔

ابو مَعبَد یہ سُن کر بول اُٹھا کہ خدا کی قسم یہ تو وہی صاحبِ قریش تھے جن کا ذکر ہم سُنتے رہے ہیں - اگر میں ان سے ملتا تو اُن کا ساتھ دینے کی درخواست کرتا ، اور اب موقع ملا تو میں ضرور اِس کی کوشش کروں گا - (بیہقی اور ابن سعد نے عبدالملک بن وَہب المَذحِجی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ " مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ابو معبد مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے - حافظ ابو نُعیم نے عبدالملک کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ اُمِّ معبد بھی مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے حضوُر کی خدمت میں پہنچ گئیں) -

مدینے میں حضوُر کا انتظار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکّے سے نکلنے کی اطلاع مدینے پہنچ چکی تھی - بخاری باب الہجرت میں زُہری عن عُروَہ بن زبیر کی سند سے یہ روایت بیان کی گئی ہے ، ابن اسحاق نے بھی اِسے نقل کیا ہے ، اور حاکم اور موسیٰ بن عقبہ نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عُروَہ نے خود اپنے والد ماجد حضرت زبیر بن العوّام سے سُنا تھا ، کہ مسلمان روز صبح کے وقت نکل کر مکّے کے راستے پر بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت تک بیٹھے رہتے تھے جب تک دھوپ کی تپش ناقابلِ برداشت نہ ہو جاتی ، پھر اپنے گھروں کو پلٹ جاتے تھے - ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مہاجرین آپ کی آمد میں دیر لگنے سے پریشان تھے ، ہر روز وہ اور انصار حَرَّۃُ العُصبہ [1] پر جا بیٹھتے اور دھوپ

[1] حَرَّہ لاوے سے جلی ہوئی سیاہ چٹانوں کو کہتے ہیں - مدینہ کے نواح میں ہر طرف یہ چٹانیں پائی جاتی ہیں حَرَّۃُ العُصبہ اُس حَرّے کا نام ہے جو قُبا کے باہر مکہ کے راستے پر پایا جاتا ہے - اُسے حَرَّۃِ قُبا بھی کہتے ہیں -

چڑھنے تک انتظار کرتے رہتے تھے۔ ابن جریر اور ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے عبدالرحمن بن عُوَیم بن ساعدہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ مجھے میری قوم کے متعدد صحابہ نے بتایا کہ حضورؐ کے مکہ سے نکلنے کی اطلاع پاتے ہی ہم لوگ آپ کی آمد کا انتظار کرنے لگے تھے۔ ہر روز صبح کو ہم اپنے حَرّہ پر چلے جاتے اور اس وقت تک راہ دیکھتے رہتے جب تک دھوپ ہمیں کا ٹھنے نہ لگتی اور کہیں سایہ باقی نہ رہتا۔ یہ گرمی کا زمانہ تھا، اس لیے ہم لوگ دوپہر کے قریب اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ بزّار نے حضرت عمرؓ سے بھی یہی بات روایت کی ہے۔

یہ اِس بات کی اوّلین علامت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا محبوب وطن چھوڑ کر کسی پناہ گزین کی طرح ایک نئی جگہ تشریف نہیں لے جا رہے تھے، بلکہ اللہ کے فضل سے آپ کو مقامِ ہجرت وہ ملا تھا جہاں کے لوگ آپؐ کی راہ میں آنکھیں بچھانے کے لیے بے تاب تھے۔

آپؐ کا قُبا پہنچنا دوپہر کا وقت تھا اور لوگ حضورؐ کا انتظار کر کے گھروں کو جا چکے تھے، تب آپ اپنے ساتھیوں کی معیّت میں قُبا پہنچے جو مدینے کی نواحی بستیوں میں سے مشہور ترین بستی ہے۔ قُبا میں آپ کی تشریف آوری کے متعلق دو روایتیں ہیں جو بظاہر مختلف نظر آتی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضورؐ حَرّہ (یعنی حَرّۂ قُبا) کے قریب پہنچ کر اُس کے ایک جانب اُتر گئے اور انصار کو اطلاع دینے کے لیے کسی کو بھیجا۔ یہ خبر پاتے ہی لوگ آئے اور انھوں نے حضورؐ اور حضرت ابو بکرؓ کو سلام کر کے عرض کیا آپ اطمینان سے تشریف لے چلیں ہم سب آپ کے تابع فرمان ہیں۔ یہ بخاری میں حضرت انس کی روایت ہے اور ابن سعد نے بھی اس کو انہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ مُسند احمد اور بیہقی میں حضرت انس کی جو روایت آئی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضورؐ کی تشریف آوری کی خبر سُنتے ہی ۵۰۰ آدمی استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضورؐ قُبا کے قریب پہنچے تو ایک یہودی نے، جو اپنی گڑھی کے اُوپر چڑھا ہوا تھا، آپ کو آتے دیکھ کر انتہائی بلند آواز سے پکار کر کہا "اے بنی قَیلَہ، یہ تمہارے سردار آ پہنچے[1]" یہ سُنتے ہی بنی عَمرو بن عوف نے، جو قُبا میں آباد تھے، بیک زبان نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ہتھیاروں

---

[1] اَوس اور خزرج چونکہ ایک ماں کی اولاد تھے جس کا نام قَیلَہ تھا اس لیے ان کو بنی قَیلَہ کہا جاتا تھا۔ یہودی کا یہ اعلان کہ تمہارے سردار آ پہنچے، صاف ظاہر کرتا ہے کہ مدینے کے مومن، مشرک، یہودی، (باقی بر صفحہ ۱۹)

سے سج کر آپؐ کے استقبال کے لیے چل پڑے۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اپنی سواریوں سے اُتر کر کھجور کے ایک درخت کے سایے میں تشریف فرما ہو گئے۔ انصار کا ہجوم بڑے جوش و خروش کے ساتھ آپ کے مقامِ نزول پر حاضر ہوا۔ جذبۂ بے اختیار کی وجہ سے لوگ ٹوٹے پڑتے تھے مگر وہ جانتے نہ تھے کہ دونوں صاحبوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں۔ اس بناء پر اوّل اوّل وہ حضرت ابوبکرؓ کو سلام کرتے رہے۔ پھر جب دھوپ حضورؐ تک پہنچنے لگی تو حضرت ابوبکرؓ نے اُٹھ کر اپنی چادر سے آپ پر سایہ کیا۔ اُس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضورؐ کون سے ہیں اور لوگ آپؐ کو سلام کرنے لگے۔ یہ روایت امام بخاری نے حضرت عُروہ بن زبیر سے، محمد بن اسحاق نے عبدالرحمٰن بن عُوَیم بن ساعدہ سے، اور ابن سعد نے واقدی سے نقل کی ہے۔ حاکم، موسیٰ بن عُقبہ، ابن جریر طَبَری اور بَلاذُری وغیرہم نے بھی یہی واقعہ بیان کیا ہے۔

ان دونوں روایات میں بظاہر جو اختلاف نظر آتا ہے وہ درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف حضورؐ نے وہاں پہنچ کر عامرؓ بن فُہَیرہ یا عبداللہ بن اُرَیقط کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لیے بھیج دیا ہوگا۔ اور دوسری طرف آپ کو دیکھ کر اُس یہودی نے بھی پکار دیا ہوگا کہ آپ تشریف لے آتے ہیں۔

قُبا پہنچنے کی تاریخ حضورؐ کے قُبا پہنچنے کی تاریخ میں راویوں کے بیانات بہت مختلف ہیں۔ ابن سعد نے ایک جگہ پیر کا دن اور ۲ ربیع الاوّل لکھنے کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل کو ایک کمزور قول کی حیثیت سے بیان کیا ہے، اور دوسری جگہ انہوں نے غارِ ثَور سے آپؐ کی روانگی کی تاریخ ۴ ربیع الاوّل اور مدینہ پہنچنے کی تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل قطعیت کے ساتھ لکھی ہے۔ بخاری میں حضرت عُروہ بن زبیر کی روایت تاریخ کا تعین نہیں کرتی بلکہ صرف یہ بتاتی ہے کہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاوّل کا مہینہ۔ موسیٰ بن عُقبہ نے امام زُہری کے حوالے سے یکم ربیع الاوّل قُبا پہنچنے کی تاریخ بیان کی ہے، حالانکہ راویوں کی عظیم اکثریت اُسے مکّہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) سب پہلے ہی سے جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ انصارِ مدینہ کے فرمانروا اور حاکم مقتدر کی حیثیت سے تشریف لا رہے ہیں۔ یہودی کا یہ اعلان مختلف راویوں نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ہم نے صرف ایک روایت کے الفاظ لیے ہیں کیونکہ سب کو نقل کرنا طولِ لاحاصل ہے۔

نکلنے کی تاریخ بیان کرتی ہے۔ جریر بن حازم کی روایت ابن اسحاق سے یہ ہے کہ آپ ۲ ربیع الاوّل کو قُبا پہنچے تھے، مگر طبرانی نے عاصم بن عدِی، اور ابن ہشام، ابن جریر، اور ابراہیم بن سعد نے ابن اسحاق کی جو روایت نقل کی ہے اس میں ۱۲ ربیع الاوّل تاریخ بیان کی گئی ہے۔ بلاذری اور ابن قُتَیبَہ نے لکھا ہے کہ یہی صحیح تاریخ ہے۔ ابن القیمؒ نے زادُ المعَاد میں اور ابن عبد البرؒ نے الدُّرَر میں بھی یہی تاریخ بیان کی ہے۔ بعض روایات ۸ اور ۱۳ اور ۱۵ ربیع الاوّل کی بھی ہیں۔ لیکن صحیح و معتبر بات یہی ہے کہ حضورؐ یکم ربیع الاوّل ۱ھ کی رات کو مکّہ سے نکل کر غارِ ثَور میں تشریف لے گئے۔ تین شب و روز وہاں رہے، ۴ ربیع الاوّل کو رات کے آخری حصّے میں مدینے کے لیے روانہ ہوئے، اور ۱۲ ربیع الاوّل کو دوپہر کے وقت وہاں پہنچ گئے[1] شمسی حساب سے یہ تاریخ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔

قُبا میں قیام یہ بات متفق علیہ ہے کہ قُبا میں حضورؐ کا قیام قبیلۂ اَوس کی ایک شاخ بنی عَمرو بن عَوف کی بستی میں رہا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ وہاں آپ کی میزبانی کا شرف حضرت کُلثُوم بن ہِدمؓ[2] کو حاصل ہوا۔ اگرچہ بعض اقوال یہ ہیں کہ آپ حضرت سعد بن خَیثَمہ کے ہاں ٹھیرے تھے، لیکن ابن سعد اور بلاذری نے واقدی کے حوالے سے اور ابن جریر و ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے تصریح کی ہے کہ دراصل

---

[1] واضح رہے کہ قمری حساب سے رات، دن سے پہلے ہوتی ہے اور سورج غروب ہونے کے بعد نئی تاریخ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس لیے یکم ربیع الاوّل کی رات سے مراد دن سے پہلے والی رات ہے نہ کہ دن کے بعد والی رات۔ نیز یہ بھی معلوم رہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جب ہجری تاریخ کی ابتدا کی گئی تو ہجرت کے روز سے نہیں بلکہ یکم محرم (مطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء) سے اس کا آغاز کیا گیا تھا، کیونکہ اہل عرب قدیم زمانے سے محرم ہی کو سال کا پہلا مہینہ مانتے چلے آ رہے تھے۔ اس لیے ہجرت سنہ ہجری کے تیسرے مہینے میں ہوئی۔

[2] یہ ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ حضورؐ کی تشریف آوری کے تھوڑی مدت بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ابن جریر کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ پہلے شخص تھے جن کا ہجرت کے بعد انتقال ہوا۔ نہ معلوم یہ بات کس طرح بعض روایات میں آ گئی ہے کہ حضورؐ کے قیام کے زمانہ میں یہ مشرک تھے۔ استیعاب میں ابن عبد البرؒ اور اصابہ میں ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ ہجرت سے پہلے یہ مسلمان ہو چکے تھے۔

قیام تو کلثومؓ بن ہِدم کے ہاں تھا، لیکن حضورؐ لوگوں سے ملاقات کے لیے حضرت سعدؓ بن خَیثمہ کے ہاں تشریف فرما ہوتے تھے، کیونکہ وہ بال بچوں والے نہ تھے اور ان کا پورا گھر مَردوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ اِسی بناء پر لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ آپ حضرت سعد کے ہاں ٹھہرے ہیں۔ بلاذری نے فتوح البُلدان میں بھی بعینہٖ یہی بات اِس صراحت کے ساتھ لکھی ہے کہ میں نے حدیث اور سیرت اور مَغازی کا علم رکھنے والوں کی ایک جماعت سے یہ بات سُنی ہے۔

اِس قیام کے زمانہ میں آپؐ نے مسجد قُبا کی تعمیر فرمائی جیسا کہ امام بخاری نے حضرت عُروہ بن زبیر سے اور ابن ہشام و ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے اس کے متعلق ابن اسحاق کی پوری سند درج کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ پہلی مسجد تھی جو اسلام میں بنائی گئی اور پہلی مسجد تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو علانیہ نماز باجماعت پڑھائی۔[1]

اسی زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ سے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپؐ کے ساتھ ہی کُلثومؓ بن ہِدم کے ہاں قیام کیا۔ ابن ہشام اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی ہے کہ وہ مکہ میں تین دن ٹھیرے اور اہل مکہ کی وہ تمام امانتیں واپس کیں جو حضورؐ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ قبا میں حضورؐ کا قیام کتنے دن رہا۔ بخاری و مسلم اور ابن سعد میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ آپ وہاں ۱۴ روز رہے۔ واقدی نے بھی ۱۴ دن ہی زمانۂ قیام بتایا ہے۔ حضرت عائشہؓ اور عُروَہ بن زبیر سے منقول ہے کہ دس سے چند روز زیادہ قیام رہا۔ بنی عَمروؓ بن عَوف کے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضورؐ وہاں ۱۸ روز ٹھیرے۔ موسیٰ بن عُقبہ کی روایت امام زُہری اور مُجمّع بن یزید بن حارثہ سے یہ ہے کہ آپ ۲۲ دن وہاں رہے، اور یہی زُبیر

---

[1] مسجد قُبا اب بھی مدینہ طیبہ کے جنوب مغرب میں موجود ہے۔ اُس کے قبلے سے متصل جس مقام پر اب ایک قُبہ ہے "مقام العمرہ" کے نام سے معروف ہے، یہی حضرت کلثوم بن ہِدم کا مکان تھا اور اس کے قریب دوسرا قُبہ جو مسجد سے متصل ہے اور بیت فاطمہ کے نام سے معروف ہے، وہ حضرت سعد بن خَیثمہ کا مکان تھا۔

بن بکار کی روایت ہے جو انہوں نے بنی عمرو بن عوف کے متعدد لوگوں سے سنی - بلاذری نے ایک قول ۲۲ دن کا بھی نقل کیا ہے - لیکن ابن سعد، ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن جریر، بلاذری اور ابن حبان نے قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ حضورؐ نے قبا میں پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کو قیام فرمایا، اور جمعہ کے روز آپ وہاں سے مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے - یہی قول مغازی و سیر کے علماء میں مشہور ہے - اگرچہ ابن حبان نے قبا میں حضورؐ کا قیام تین دن بیان کیا ہے، اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی یہی لکھا ہے، مگر دراصل انہوں نے آپ کے قبا پہنچنے اور قبا سے روانہ ہونے کے دنوں کو زمانۂ قیام میں شمار نہیں کیا ہے، اس لیے ان کا قول بھی قولِ مشہور کے مطابق ہے -

قبا سے روانگی اور پہلی نمازِ جمعہ ابن ہشام اور ابن جریر نے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے، اور یہی ابن سعد اور بلاذری کی روایت بھی ہے کہ حضورؐ جمعہ کے روز دن چڑھے قبا سے روانہ ہوئے - بنی سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آ گیا - آپؐ وہاں اترے اور اُن کی مسجد میں جمعہ پڑھایا - ۱۰۰ آدمی اس نماز میں شریک تھے، اور یہ پہلا جمعہ تھا جو حضورؐ کی امامت میں پڑھا گیا - بنی سالم کی یہ مسجد وادیِ رانونا میں تھی[۵] اور پہلے مسجد غُبَیب کہلاتی تھی، پھر حضورؐ کے وہاں جمعہ پڑھانے کے بعد مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہو گئی اور آج تک اسی نام سے مشہور ہے - مدینہ سے قبا جاتے ہوئے یہ راستہ کے بائیں جانب ملتی ہے -

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسے سعید بن عبدالرحمٰن الجمحی کے حوالہ سے ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں لفظ بلفظ درج کیا ہے - لیکن اس میں قرآن مجید کی بعض ایسی آیات پائی جاتی ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں، اس لیے یہ امر مشتبہ ہے کہ حضورؐ کی طرف جو خطبہ منسوب کیا گیا ہے وہ صحیح الفاظ میں نقل ہوا ہے یا نہیں -

مدینہ میں داخلہ نماز جمعہ کے بعد جب حضورؐ مدینے جانے کے لیے تیار ہوئے تو بنی سالم کے لوگ

---

[۵] یاقوت نے مُعجَم البُلدان میں لفظ رانُونا کے تحت لکھا ہے کہ وادی رانونا میں اس مسجد کے وقوع کا ذکر ابن اسحاق کی سیرت کے اُس خلاصے میں آیا ہے جو ابن ہشام نے کیا ہے، ورنہ دوسرے سب صرف یہ لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے بنی سالم کی بستی میں نماز جمعہ ادا کی -

حضرت عتبانؓ بن مالک اور حضرت عباسؓ بن عُبادہ بن نضلہ کی سربراہی میں سامنے آئے اور آپؐ کی اُونٹنی کی نکیل تھام کر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیں، ہم تعداد میں بھی کافی ہیں، جنگی سروسامان بھی رکھتے ہیں اور دفاع کی طاقت بھی۔ حضورؐ نے فرمایا، میری اُونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔ مطلب یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت چل رہی ہے اور اُسی جگہ جاکر ٹھیرے گی جہاں ٹھیرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ آگے چلے تو بنی بیاضہ، بنی ساعدہ، بنی الحارث، بنی عدی بن نجار کے محلے راستے میں آئے۔ ہر جگہ اِن قبیلوں کے لوگ اپنے سرداروں کی پیشوائی میں سامنے آکر اپنے ہاں قیام کے لیے عرض کرتے رہے، اور آپ ان سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ میری اُونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ مامور ہے۔ حضورؐ نے اُس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی اور آپؐ اسے کوئی ہلکا سا اشارہ بھی نہیں فرما رہے تھے کہ وہ کدھر جائے اور کہاں ٹھیرے۔ جب وہ بنی مالک بن نجار[1] کے محلے میں پہنچی تو ٹھیک اُس جگہ جاکر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبویؐ ہے اور بعض روایات کے مطابق منبر رسولؐ ہے۔ مگر حضورؐ اُس پر تشریف فرما رہے۔ وہ پھر اُٹھی اور کچھ دُور چل کر پھر اُسی جگہ پلٹ آئی اور وہاں ٹک گئی۔ تب حضورؐ اس پر سے اُترے[2]۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جسے ابن ہشام نے تفصیل کے ساتھ اور ابن جریر نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

---

[1] یہ وہی خاندان تھا جس کی ایک خاتون سَلمٰی بنت عمرو سے حضورؐ کے پردادا ہاشم نے شادی کی تھی اور حضورؐ کے دادا عبدالمطلب انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی خاندان میں عبدالمطلب جوانی کی عمر کے قریب پہنچنے تک پلے بڑھے، اسی خاندان کے لوگ اُس موقع پر عبدالمطلب کی حمایت کے لیے مکے پہنچ گئے جب اُن کے چچا نے اُن کی میراث مار کھائی تھی، اور اس خاندان سے حضورؐ کے خاندان کا تعلق اتنا گہرا تھا کہ آپ کے والد جناب عبداللہ نے اپنے آخری ایامِ زندگی انہی کے ہاں گزارے، یہیں وہ مدفون ہوئے، اور حضورؐ کی والدہ ماجدہ آپ کو بچپن میں انہی لوگوں سے ملانے کے لیے مدینے لے گئی تھیں۔

[2] اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت تھی کہ اُس نے حضورؐ کی جائے قیام کا انتخاب خود حضورؐ پر نہ چھوڑا بلکہ اپنے حکم کے تحت اُونٹنی سے یہ خدمت لی۔ اگر حضورؐ اپنی پسند سے جائے قیام کا انتخاب فرماتے تو انصار کے دوسرے قبیلوں میں یہ احساس پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ نے ہم پر بنی نجار کو ترجیح دی ہے۔

ابن سعد اور بلاذری نے بھی اسے مختصراً بیان کیا ہے۔

حضرت ابوایوبؓ کے ہاں قیام

آگے کی روداد کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ جب حضورؐ اُونٹنی سے اُتر گئے تو سامنے ہی حضرت ابوایوبؓ انصاری (خالد بن زید) کا مکان تھا۔ وہ حاضر ہوئے اور آپ کا سامان اُتار کر اپنے گھر لے گئے اور آپ نے انہی کے ہاں قیام فرمایا۔

بخاری اور مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ نے اُونٹنی سے اُتر کر دریافت فرمایا کہ ہمارے لوگوں میں سے کس کا گھر یہاں سے قریب تر ہے۔ حضرت ابوایوبؓ نے عرض کیا، میرا، یا رسول اللہ، یہ سامنے میرا گھر ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا" تو جاؤ اور ہمارے لیے قیلولے کا انتظام کرو" ابن سعد نے بھی حضرت انس کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے، اور واقدی کے حوالے سے ابن سعد اور بلاذری نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضورؐ کی اُونٹنی کو حضرت اسعدؓ بن زُرارہ نے اپنے ہاں لے جا کر باندھ دیا اور وہی اس کی دیکھ بھال کرتے رہے۔

بعض روایات میں ہے کہ اونٹنی سے اُتر کر حضورؐ نے فرمایا ھٰذا المنزل اِن شاء اللہ "یہی جائے قیام ہے۔ اگر اللہ نے چاہا۔" حضرت ابوایوبؓ نے آکر عرض کیا کہ میرا مکان یہاں سے قریب ترین ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں آپ کا سامان اپنے ہاں لے جاؤں۔ حضورؐ نے اُن کو اجازت دے دی اور وہ سامان اپنے ہاں اُٹھا کر لے گئے۔ طبَرانی نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے یہی بات روایت کی ہے۔

بخاری، مسلم اور مسند احمد میں حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ لوگوں میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ آپ کہاں اُتریں، اور آخر کار حضورؐ نے فرمایا آج میں بنی نجار میں ٹھیروں گا جو عبدالمطلب کی ننھیال ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں مسند احمد کے حوالہ سے خود حضرت ابوایوب کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ جب انصار میں اِس بات پر جھگڑا بڑھا کہ حضورؐ کا قیام کہاں ہو تو آخر کار قرعہ ڈالا گیا اور میرا نام نکلا[1]۔

اِن مختلف بیانات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پہلے تو حضورؐ حضرت ابوایوبؓ کے ہاں اُتر گئے ہوں گے۔ اور بعد میں آکر دوسرے قبیلوں نے یہ چاہا ہو گا کہ اس شرف میں انہیں بھی حصہ ملے۔ اس پر قرعہ اندازی

---

[1] حضرت ابوایوبؓ انصاری کا مکان اب بھی مسجد نبوی کے جنوب مشرقی جانب موجود ہے۔ اور اس کے قریب دارِ جعفر الصادق ہے جس میں اب مسجد نبوی کے امام وخطیب رہتے ہیں۔

مدینہ طیبہ بزمانۂ ہجرت

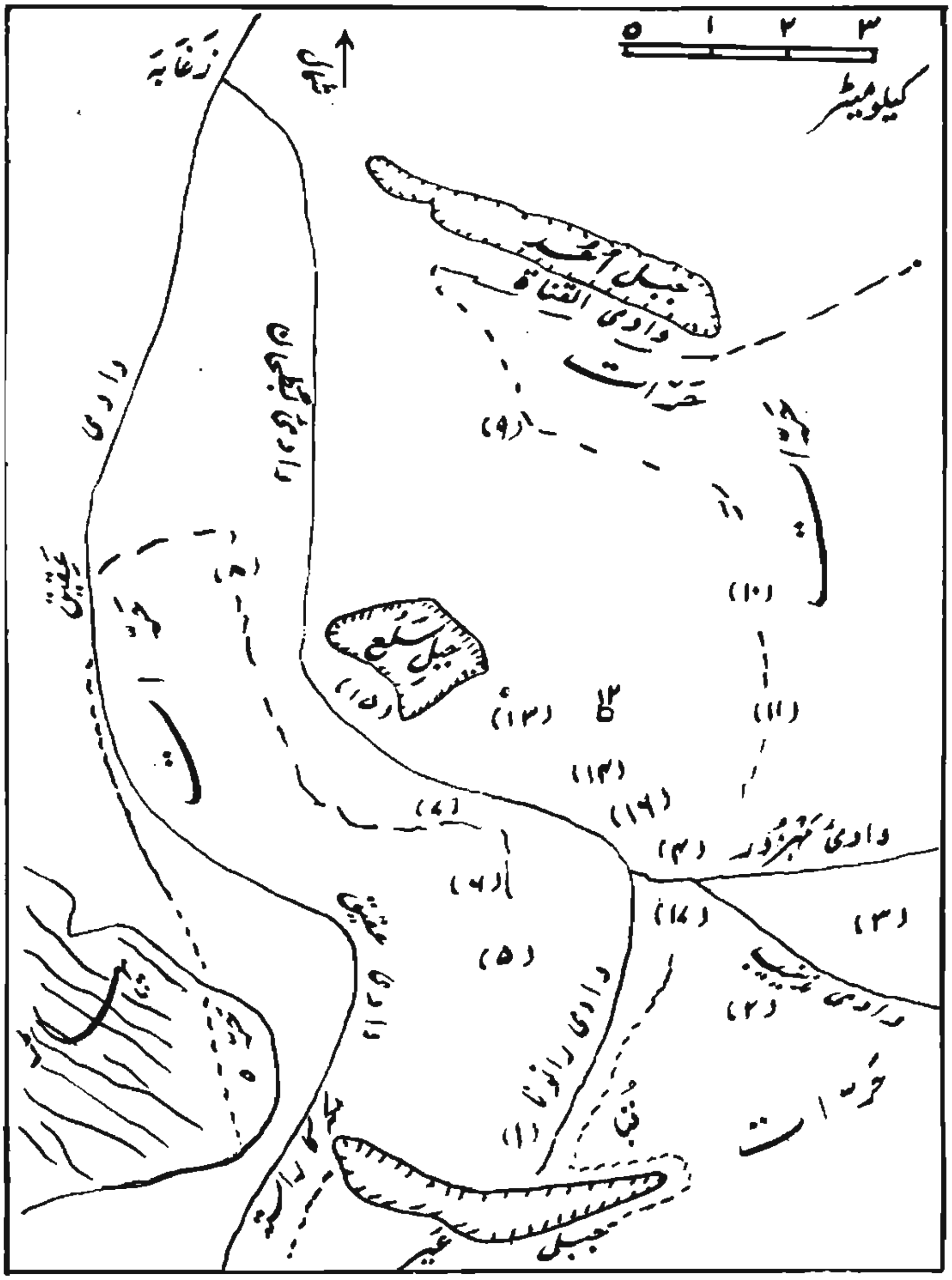

۱ - بنی عَمرو بن عوف
۲ - بنی نضیر
۳ - بنو قُرَیظہ
۴ - بنو قَینقاع
۵ - قواقِلہ : بلحبلی
۶ - بنی عَوف
۷ - بنی بَیاضہ
۸ - بنی سَلِمہ
۹ - بنی حارثہ
۱۰ - بنی عبد الاشہل
۱۱ - بنی ظَفَر
۱۲ - مسجد نبوی
۱۳ - بنی نجّار
۱۴ - بنی زُرَیق
۱۵ - بنی ساعِدہ
۱۶ - بَلحارِث
۱۷ - اَوس مناۃ

کی نوبت آئی ہوگی، اور حضورؐ نے بھی لوگوں کو یہ فرما کر مطمئن کیا ہوگا کہ اس خاندان میں میری پہلے سے قرابت ہے، کیونکہ اہلِ عرب کے ہاں قرابت کے حق کا مقدم ہونا مسلّم تھا۔

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الذکر والدعاء میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضورؐ میرے ہاں اُترے تو آپ مکان کے نچلے حصے میں ٹھیرے اور میں اور ایوب کی ماں بالائی منزل میں رہے۔ رات کو میں نے ایوب کی ماں سے کہا کہ حضورؐ اُوپر قیام فرمانے کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ آپ کے پاس ملائکہ آتے ہیں اور آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس خیال سے نہ میں رات کو سو سکا اور نہ اُمّ ایوب۔ صبح میں نے حضورؐ سے یہ ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا نیچے کا مکان میرے لیے زیادہ آرام دہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ایسے بالاخانے میں نہیں رہ سکتا جس کے نیچے آپ قیام فرما ہوں۔ غرض میں نے اتنا الحاح کیا کہ آپ اُوپر کی منزل میں رہنے پر راضی ہو گئے۔

ابن ہشام نے محمد بن اسحاق سے حضرت ابو ایوب کی جو روایت نقل کی ہے وہ اس سے تھوڑی سی مختلف ہے۔ اس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے نیچے کے حصے کو پسند کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس میں آپ کے پاس حاضر ہونے والوں کے لیے زیادہ سہولت ہے۔ اس لیے حضرت ابو ایوبؓ بادلِ نخواستہ اُوپر کی منزل میں رہنے پر راضی ہو گئے۔ لیکن ایک روز ایسا ہوا کہ اُوپر کی منزل میں پانی کا ایک برتن ٹوٹ گیا۔ حضرت ابو ایوبؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں پانی ٹپک کر نیچے نہ گر جائے اور اس سے حضورؐ کو تکلیف ہو۔ اس لیے دونوں میاں بیوی کے پاس جو ایک ہی لحاف تھا اس کو انہوں نے پانی میں ڈال کر جلدی جلدی اُسے خشک کیا۔ بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت ابو ایوبؓ سے یہ واقعہ اسی طرح روایت کیا ہے۔

ابن سعد نے حضرت زید بن ثابت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ کے ہاں حضورؐ کے قیام کے زمانے میں کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا جب تین چار گھروں کے لوگ آپ کے دروازے پر خوان لیے ہوئے کھڑے نہ نظر آتے ہوں۔

مدینہ میں آپؐ کا استقبال | اگرچہ اُوپر کے بیان سے بھی بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ مدینہ نے کس عقیدت و محبت کے ساتھ آپؐ کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ لیکن شہر میں آپ کا استقبال جس جوش و خروش اور جس والہانہ انداز میں ہوا وہ بے نظیر تھا۔ عرب میں نہ اس سے پہلے کبھی کسی کا ایسا استقبال ہوا تھا نہ اس کے بعد ہوا۔ (باقی)